افکار پریشان

ڈاکٹر محمد اقبال پی ایچ ڈی
ترجمہ : فضل احمد شمسی

غالباً نیاز فتح پوری کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دفعہ اکبر الہ آبادی سے ملے تو اکبر نے انھیں اپنا یہ شعر سنایا :

بزم عشرت کہیں ہوتی ہے تو رو دیتا ہوں
کوئی گزری ہوئی صحبت مجھے یاد آتی ہے

نیاز نے کہا یہ شعر اچھا ہے لیکن آپ کا ایک دوسرا شعر مجھے زیادہ پسند ہے ۔ اکبر نے بے تابی سے اس شعر کے بارے میں پوچھا تو نیاز نے اکبر کا یہ شعر پڑھا :

آرزو دل میں ہے اک شخص سے ملنے کی بہت
نام کیا لوں کوئی اللہ کا بندہ ہوگا

اکبر اس شعر کو سن کر آبدیدہ ہو گئے، اٹھ کر نیاز کو گلے لگایا اور کہا: تم نے مجھے بھولا ہوا اکبر یاد دلا دیا ۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شعر کہنے کے لئے جس خون جگر اور گرمی قلب کی ضرورت ہے، فطرت نے اس سے اکبر کو نوازا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال بھی اکبر کے مداح تھے ۔ ایک دفعہ اکبر نے کہا :

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
عقیدے، عقل، عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

اس شعر پر ڈاکٹر اقبال نے ۱۷ دسمبر ۱۹۱۴ء کو اکبر کو لکھا : ”آپ نے ہیگل کے سمندر کو ایک قطرہ میں بند کردیا یا یوں کہئے کہ ہیگل کا سمندر اس قطرے کی تفسیر ہے“۔ اس خط کے بعد اقبال نے ۱۸ اگست ۱۹۱۷ء میں لکھنؤ کے ایک معروف انگریزی پرچے ’عہد نو‘ (The New Era) میں ہیگل، اکبر اور نیٹشے، جلال الدین رومی کے نام سے ایک مختصر مضمون ’افکار پریشان‘ کے نام سے لکھا۔

علامہ اقبال کا تمام منظوم اور منثور کلام کسی نہ کسی انداز سے یکجا کرکے چھاپ دیا گیا ہے، لیکن ان کے کسی اردو مجموعے میں ’عہد نو‘ کا یہ قیمتی مضمون ہمیں نظر نہیں آیا۔ چنانچہ ہم ’فکر و نظر‘ کے اس خاص شمارے میں اس مضمون کو ترجمے کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

مدیر

STRAY THOUGHTS

(BY DR. MOHAMMAD IQBAL Ph.D.)

(I)

TOUCH OF HEGELIANISM IN LISANUL 'ASAR AKBAR.

To the great German Idealist Hegel creation means the Absolute Reason leaving its absoluteness and returning to itself by visualising or objectifying itself in the form of a Universe which, in its essence, is no more than the unity of the Absolute Reason powdered up in a visible, perceptible plurality. Whether this process of return is temporal or non-temporal (for on this point Hegelians differ) it is clear that according to the Master its motive-force is the necessarily self-contradictory categories through which the Absolute Reason has to pass synthetically to regain its primeval Absoluteness. At the beginning of the process, since we are distant from the original Absoluteness, the contradictions are sharp and mutually exclusive, but when we approach the end of the process their sharpness begins to disappear until we reach the Absolute Idea in which all contradictions embrace each other, and are transformed into a single

unity. Thus the central idea of Hegel's Philosophy can be summed up in a few words — Infinite becoming Finite and regaining itself through a synthesis of self-evolved oppositions. The life of the universe, then, is necessarily constituted by a perpetual conflict of opposing forces. This brief sketch of Hegel's Idea, I am afraid, is not quite luminous, but Iventure to hope it will assist you in realising the depth of Akbar's apparently simple verse.

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
عقیدے عقل عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

The endless conflict of Nature's creative forces is too palpable to escape the observation of poets and thinkers. Tennyson has perhaps given it a fuller and more pathetic expression; and our own Urfi has seized it in a majestic verse:

بچشم مصلحت بنگر مصاف نظم ہستی را
کہ ہر خارے دریں وادی درفش کاویان بینی

The special feature of Akbar, however, is that in a few simple and well-chosen words he reveals to you not only the conflict, but also the cause (i.e. Limitation of the Limitless) which has generated it. And in the words عقل and عقیدہ he further suggests that this conflict is not limited to the material Plane (عنصر) only but extends itself to the mental plane as well. In Alexander's well-known book———— "Moral Order and Progress" ———you will find how our ideas, ideals, beliefs and modes of life are constantly engaged in a quiet bloodless fight, and how they displace, kill and absorb one another.

(2) NIETZSCHE AND JALAL-UD-DIN RUMI.

Comparisons, they say, are odious, I want, however, to draw your attention to a literary comparison which is exceedingly instructive and cannot be regarded as odious. Nietzsche and Maulana Jalal-ud-din Rumi stand at the opposite poles of thought; but in the history of Literature and thought it is the points of contact and departure, which constitute centres of special interest. In spite of the enormous intellectual distance that lies between them these two great Poet-Philosophers seem to be in perfect agreement with regard to the practical bearing of their thought on life. Nietzsche saw the decadence of the human type around him, disclosed the subtle forces that had been working for it, and finally attempted to adumbrate the type of life adequate to the task of our planet. "Not

how man is preserved, but how man is surpassed," was the keynote of Nietzsche's thought. The superb Rumi—— born to the Moslem world at a time when enervating modes of life and thought, and an outwardly beautiful but inwardly devitalising literature had almost completely sucked up the blood of Moslem Asia and paved the way for an easy victory for the Tartar —— was not less keenly alive than Nietzsche to the poverty of life, incompetence, inadequacy and decay of the body-social of which he formed a part and parcel. See with what unerring insight he describes the corroding disease of his society and suggests the ideal type of Moslem manhood ——

دی شیخ باچراغ همی گشت گرد شهر — کزدام ودد ملولم انسانم آرزوست
زیں همرهان سست عناصر دلم گرفت — شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم که یافت می نشود جسته ایم ما — گفت آنکه یافت می نشود آنم آرزوست

لسان العصر اکبر کے افکار میں فلسفہ هیگل کی جھلک

عظیم جرمن مثالیت پسند مفکر هیگل کے یہاں تخلیق سے مراد عقل مطلق کا اپنی مطلقیت کو چھوڑ دینا اور پھر تشکیل مرئی یا تجسیم کے ذریعہ ایک ایسی کائنات کی صورت میں مراجعت ہے جو اپنے اصل میں عقل مطلق کی مرئی یا قابل ادراک کثرت میں منتشر وحدت کے سوا کچھ نہیں ۔ بحالی کا یہ عمل زمانی ہو یا غیر زمانی (هیگل کے پیرو کار اس بارے میں مختلف الخیال هیں) یہ امر واضح ہے کہ استاذ کے خیال میں اس عمل کے محرک وہ لازمی طور پر فی نفسہ متناقض مقولات هیں جن کے امتزاج هی سے(۱) عقل مطلق اپنی قدیم مطلقیت کو دوبارہ حاصل کرتی ہے ۔ چونکہ عمل (بحالی) کی ابتدا میں هم اصلی حالت کی مطلقیت سے دور هوتے هیں، اس لئے تناقضات تیز اور آپس میں مانع هوتے هیں، لیکن جیسے جیسے هم عمل کے اختتام کے قریب آنے لگتے هیں ان کی تیزی غائب هونے لگتی ہے، یہاں تک کہ هم تصور مطلق تک آجاتے هیں جس میں تمام تناقضات ایک دوسرے سے بغلگیر هوجاتے هیں اور ایک وحدت میں متبدل هوجاتے هیں(۲) ۔ اس طرح هیگل کے فلسفہ کے مرکزی

خیال کو چند الفاظ میں ادا کیا جا سکتا ھے ''لامتناھی کا متناھی بن جانا اور از خود پیدا شدہ اختلافات کے امتزاج سے اپنی بحالی،،۔ پس یہ لازم آیا کہ حیات کائنات مخالف طاقتوں کے تصادم سے مرکب ھے۔ میں جانتا ھوں کہ ھیگل کے تصور مطلق کا یہ مختصر سا خاکہ فی الحقیقت بصیرت افروز نہیں۔ لیکن میں یہ امید کرنے کی جسارت کر رھا ھوں کہ اکبر کے بظاھر سادہ سے شعر

جہاں ھستی ھوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ھیں
عقیدے، عقل، عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ھیں

کی گہرائی کا اندازہ لگانے میں یہ خاکہ آپ کی مدد کرے گا۔

فطرت کی تخلیقی طاقتوں کا ناقابل اختتام تصادم اس قدر قابل ادراک ھے کہ وہ شعرا اور مفکرین کے مشاھدے سے بچا نہیں رہ سکتا تھا۔ ٹینی سن (Tennyson) نے شاید اسے زیادہ مکمل درد انگیز اسلوب میں پیش کیا ھے، اور ھمارے عرفی نے اس کا احاطہ ایک پر شکوہ شعر میں کیا ھے:

بچشم مصلحت بنگر مصاف نظم ھستی را
کہ ھر خارے دریں وادی درفش کاویاں بینی۳

تاھم اکبر کی خاص بات یہ ھے کہ وہ چند سادہ اور مناسب الفاظ میں نہ صرف اس تضاد کو آشکار کردیتے ھیں بلکہ اس کا سبب جس سے کہ وہ معرض وجود میں آتا ھے (یعنی غیر محدود کی تحدید) بھی بتادیتے ھیں۔ علاوہ ازیں ''عقل،، اور ''عقیدہ،، کے الفاظ کے استعمال سے وہ یہ خیال بھی دلاتے ھیں کہ یہ تصادم صرف عنصر کی سطح تک محدود نہیں بلکہ اس کا پھیلاؤ ذھن کی سطح تک ھے۔ الیگزینڈر کی معروف کتاب Moral Order and Progress

میں آپ یہ دیکھیں گے کہ ہمارے تصورات، نصب العین، اعتقادات اور طرز زندگی کیونکر ایک خاموش اور بے کشت و خون کشمکش میں مستقل طور پر لگے رہتے ہیں اور کس طرح وہ ایک دوسرے کو ہٹا کر ان کی جگہ لیتے، ان کو فنا کرتے اور ان کو مدغم کرتے رہتے ہیں۔

(۲)

نیٹشے اور جلال الدین رومی

کہا جاتا ہے کہ تقابل ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ لیکن میں آپ کی توجہ ایک ایسے ادبی تقابل کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو بے انتہا سبق آموز ہے اور جسے ناپسندیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نیٹشے اور مولانا جلال الدین رومی عالم فکر کے مخالف قطبین پر واقع ہیں۔ لیکن ادب اور فکر کی تاریخ میں وہ نقطے ہی خصوصی دلچسپی کا مرکز ہوتے ہیں جو نقطہ ہائے اتصال و انفصال ہوتے ہیں۔ اس وسیع ذہنی خلیج کے باوصف جو ان کے درمیان واقع ہے، یہ دو عظیم شاعر — فلسفی زندگی سے متعلق اپنے خیالات کے عملی پہلو میں مکمل طور پر یکساں نظر آتے ہیں(۴)۔ نیٹشے کو اپنے ماحول میں نوع انسانی کا انحطاط نظر آیا، اس نے ان غیر مرئی طاقتوں کو منکشف کیا جو اس انحطاط کے لئے کوشاں تھیں، اور بالآخر اس طرز زندگی کی جھلک دکھانے کی کوشش کی جو ہمارے سیارے کے ذمہ کام کے لحاظ سے موزوں ہے۔ نیٹشے کی فکر کا بنیادی عنصر تھا: ''یہ نہیں کہ انسان کو کس طرح برقرار رکھا جاتا ہے بلکہ یہ کہ انسان پر فوقیت کیونکر حاصل ہوتی ہے''۔(۵) عظیم رومی جو اس وقت مسلم دنیا میں پیدا ہوا جب کہ ذہنی و اخلاقی صلاحیتوں کو سلب کرلینے والے طرز زندگی، فکر اور بظاہر دلکش لیکن بباطن بے جان کردینے والے ادب نے مسلم ایشیا کا تقریباً سارا خون نچوڑ لیا تھا اور تاتاریوں کی بلا مزاحمت

فتح کے لئے راہ ہموار کردی تھی، وہ کسی طور بھی اس سماجی جسم، جس کا وہ لازمی حصہ تھا، کی افلاس حیات، نااہلیت، ناکافی ہونا اور انحطاط پذیری کے بارے میں(٦) - نیٹشے سے کم حساس نہ تھا۔ دیکھئے وہ اپنے معاشرے کو گھن کی طرح لگنے والے مرض کی کس بصیرت سے تشخیص کرتا ہے اور مسلمانیت کا مثالی نمونہ پیش کرتا ہے :

دی شیخ با چراغ همی گشت گرد شهر
کزدام و دد ملولم وانسانم آرزوست

زیں همرهاں سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست

گفتم که یافت می نشود جسته ایم ما
گفت آنکه یافت می نشود آنم آرزوست

تحشیه از مترجم

۱ - ''استزاج هی سے،، کی جگه اقبال یه ترکیب استعمال کرتے هیں - ''جس میں سے عقل مطلق کو استزاجاً گزرنا پڑتا ہے،، !

۲ - منطقی اعتبار سے ''تناقض،، (Contradiction) اس نسبت (Relation) کو کہتے هیں جو مندرجه ذیل نوع کے دو قضیوں کے درمیان هوتا ہے : ''الف ب ہے،، اور ''الف ب نہیں ہے،، - جن دو اشیاء میں یه تعلق پایا جاتا ہے ''متناقض،، یا نقیض،، (Contradictories) کہے جاتے هیں - اس نسبت کی خصوصیت یه ہے که جن دو اشیاء کے درمیان یه نسبت پائی جاتی ہے وہ دونوں(۱) آپس میں مانع (Exclusive) هوتے هیں، یعنی اگر وہ اشیاء قضیے هوں تو دونوں صحیح نہیں هو سکتے اور اگر وہ صفات هوں تو دونوں هی کسی بھی شئے پر به یک وقت محمول نہیں کئے جاسکتے - اور (۲) دونوں مل کر

جامع (Exhaustive) ہوتے ہیں یعنی اگر وہ دونوں قضیے ہوں تو دو میں سے ایک کا صحیح ہونا لابدی ہو اور اگر صفات ہوں تو چاہے کسی بھی شئے کو لے لیں ان دو میں سے ایک صفت کو اس شئے پر محمول کیا جانا لابدی ہو۔ چنانچہ تناقضات میں '' تیزی ،، کا استعمال اچھوتی نکتہ آفرینی ہے۔

یہاں پر یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکتہ آفرینی اقبال کی نہیں بلکہ خود ''استاذ،، (ہیگل) کی ہے۔ ہیگل کے ایک عظیم مفکر ہونے سے کسی کو انکار نہیں لیکن امر واقع یہ ہے کہ منطق کی صحیح تربیت نہ رکھنے کے باعث ہیگل نے منطق کی مصطلحات کا بے محل استعمال کیا ہے بلکہ یہاں تک بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کے فلسفہ کی اساس ہی مصطلحات کے بیجا استعمال پر ہے۔

۳۔ عرفی کے اس مشہور قصیدہ کا شعر جو خانخانان عبدالرحیم خان کی مدح میں کہا گیا تھا اور جس کا مطلع یہ ہے:

زخود گردیدہ بربندی چگویم کام جان بینی
ہمان کز اشتیاق دیدنش زادی ہمان بینی

۴۔ اقبال کی مراد شاید یہ ہے کہ: زندگی کے عملی پہلو سے متعلق اپنے خیالات کے رجحانات میں روسی و نیٹشے یکساں تھے۔ (شاید انھوں نے ''bearings'' لکھا ہو جو '' s '' کے بغیر چھپ گیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ''Practical bearings'' سے اقبال کا مطلب ان رجحانات سے ہو جو عملی پہلو سے متعلق ہیں)۔

۵۔ اس سے اقبال کی مراد یہ ہے کہ نیٹشے کے سامنے اصل مسئلہ انسانیت کا معیار برقرار رکھنا نہ تھا بلکہ ایک ایسے معیاری بشر کا حصول تھا جسے انسانیت سے بالاتر قرار دیا جا سکے۔

۶ - یہ جملہ اقبال کی تیز رفتار و شاعرانہ طبعیت کا غماز ہے۔

اقبال کی مراد یہ ہے کہ روسی جس معاشرہ کا ایک فرد تھا وہ بے جان ہو رہا تھا (افلاس حیات) اس میں اپنے آپ کو برقرار رکھنے کی صلاحیت باقی نہ رہی تھی (نااھلیت)، اس میں اپنے افراد کی ضروریات کو پورا کرنے کے وسائل کافی نہ رہے تھے۔ (ناکافی ھونا)، اور اب اس میں اپنے افراد کو مجتمع رکھنے کی صلاحیت بھی باقی نہ رہی تھی (انحطاط پذیری)۔

* * * *